ہے۔ پھر لوگوں سے مانگنے بیٹھ جاتا ہے۔ بہترین صدقہ وہ ہے جو مال دار آدمی کا ہو۔(ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ غریب آدمی کو احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ جذبات میں آکر سارا مال صدقہ کرنے کے بجاے کچھ صدقہ کرے اور باقی سے اپنی اور اہل و عیال کی ضروریات پوری کرے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقعے پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ساری دولت پیش کردی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کرلیا۔ امام بخاریؒ نے اس کا جواب بخاری میں دیا ہے کہ جو شخص ابوبکرؓ کے مقام پر فائز ہو، صبر و قناعت کرسکتا ہو، اس کے لیے بے شک ساری دولت خرچ کردینے کی اجازت ہے۔ لیکن عام لوگوں کے لیے یہی ہدایت ہے کہ وہ دولت کے خرچ کرنے میں اعتدال اور توازن سے کام لیں۔ اس لیے جو صاحب چار پانچ ہزار روپے ماہوار بچت رکھتے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ کچھ رقم فی سبیل اللہ خرچ کریں، باقی گھریلو ضروریات اور حج کے لیے پس انداز کرلیں۔ دعوت و اقامت دین کا فریضہ اور اس کے تقاضے اپنی جگہ اہم ہیں، اس کے لیے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے مالی معاونین بڑھانے چاہییں۔ اس سے دینی کام زیادہ بہتر اور مؤثر انداز میں ہوسکے گا۔ واللّٰہ اعلم! (مولانا عبدالمالک)

اطاعت امیر کی حدود

س: قرآن حکیم امیر کی اطاعت کا حکم دیتا ہے (النساء ۴:۵۹)۔ کیا امیر کے ہر حکم کی اطاعت و پیروی لازمی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی بھی کی جاسکتی ہے؟ ہمیں قرآن و سنت سے کیا ہدایات ملتی ہیں؟

ج: آپ نے سورۂ نساء کی آیت کے حوالے سے جو سوال کیا ہے اس کا اصولی جواب خود اسی آیت میں موجود ہے۔ فرمایا گیا ہے: ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اپنے اولوالامر کی۔ اگر کسی معاملے میں اختلاف راے واقع ہو تو اس کو اللہ اور اس کے رسولؐ

کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو" (النساء ۴:۵۹)۔ اس آیت مبارکہ میں پہلی حقیقت یہ واضح کر دی گئی کہ جن اولی الامر کی اطاعت کی بات کی جا رہی ہے وہ خود اُمت مسلمہ ہی کے اولی الامر ہیں۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت غیر مشروط اور ہمہ وقتی ہوگی۔ ان سے اختلاف اور روگردانی جائز نہیں۔ اس لیے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسولؐ کو غیر مشروط رکھا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء ۴:۸۰)، "جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی"۔ پھر ایک تیسری سطح اطاعت کے حوالے سے بیان کی گئی ہے جس میں اصحابِ امر کی اس وقت تک مشروط اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ اپنے تمام معاملات میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی دی ہوئی ہدایات کی پیروی کر رہے ہوں۔ اگلی بات یہ فرمائی گئی کہ اگر صاحبِ امر سے کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے، جو ایک مسلمان شہری کا بنیادی حق بھی ہے، تو پھر صاحبِ امر اور ایک عام شہری کے اختلاف کا فیصلہ قرآن وسنت کی روشنی میں کیا جائے گا۔ ایسی صورت حال میں صاحبِ امر کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنا حکم اور فیصلہ عوام الناس پر زبردستی نافذ کرے اور عوام الناس کے لیے ایسے حکم کی پیروی واجب نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اللہ اور اللہ کے رسولؐ ایک مسلمان کو یہ حق دیتے ہیں کہ اگر وہ عدل قائم رکھ سکتا ہو تو ایک سے زائد نکاح کر سکتا ہے، لیکن اگر ایک حکمران یہ حکم دے کہ دوسری شادی غیر قانونی ہے تو ایسے قانون کی اطاعت جو شریعت سے ٹکراتا ہو، قطعاً جائز نہ ہوگی۔

صاحبِ امر سے عموماً فرماں روا یا حاکم مراد لیا جاتا ہے۔ لیکن اپنے وسیع تر مفہوم میں اس میں وہ سب حضرات شامل ہیں جو کسی ذمہ داری کے منصب پر فائز ہوں، مثلاً علما و فقہا، کسی ادارے کے سربراہ، وہ متخصص افراد جو اپنے اپنے میدان میں فیصلہ کُن مقام رکھتے ہوں۔ اس غرض سے ایک اسکول یا کالج کے پرنسپل، یونی ورسٹی کے وائس چانسلر، ایک فیکٹری کے مینیجر یا ایک سربراہِ خاندان، ہر ایک کے لیے حکم یکساں ہوگا اور اُس کی اطاعت اسی وقت تک ہوگی جب تک وہ حکمِ شریعت، یعنی قرآن وسنت کی پیروی کر رہا ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مشہور حدیث لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (اللہ کی نافرمانی میں کسی کی فرماں برداری نہیں)' میں اس اصول کو متعین فرما دیا کہ اگر ایک شوہر' بیوی کو یا بیوی' شوہر کو کسی ایسے کام کے لیے کہے جو قرآن و سنت کے منافی ہے تو اطاعت نہیں کی جائے گی۔ یہی شکل دیگر شعبہ ہاے حیات میں ہوگی' مثلاً ایک سرکاری دفتر میں کسی افسر کا وہ حکم جو براہِ راست قرآن و سنت سے ٹکراتا ہو' قابلِ تعمیل نہیں قرار پائے گا۔

قرآن و سنت کے احکام میں اگر ایک سے زائد تعبیرات کا امکان ہو تو کسی ایک تعبیر کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ان تعبیرات اور قرآن و سنت کے بنیادی اصولوں میں کوئی تضاد نہ ہو۔

غیر شرعی احکام کے نہ ماننے کا طریقہ کیا ہوگا اور کن حالات میں کسی صاحبِ امر کے خلاف کھلم کھلا عوامی مظاہرہ کیا جائے گا؟ یہ سوالات ہمارے معروف فقہا کے بھی پیش نظر تھے۔ چنانچہ 'سیاست شرعیہ' کے زیرعنوان اس مسئلے پر تفصیلی مباحث مختلف مقامات پر ملتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے۔ پہلی بات جو ہمارے علما نے واضح طور پر بیان کی' وہ یہ ہے کہ جب بھی صاحبِ امر گمراہی کی طرف جائیں انھیں نصیحت کی جائے' کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ (بخاری)۔ مسلم کی روایت ہے کہ ''تین چیزوں سے اللہ تعالیٰ تم سے بہت خوش ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اسی کی عبادت کرو' اور کسی کو اس کا شریک نہ گردانو۔ دوسری یہ کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو' فرقے فرقے مت بن جاؤ۔ تیسری یہ کہ جس شخص کو اللہ نے تمھارا صاحبِ امر بنایا ہے اس کو نصیحت کیا کرو''۔

نصیحت کے تمام ذرائع جب ناکام ہوجائیں تو راے عامہ کو ہموار کرنا اور ملک میں فتنہ و فساد برپا کیے بغیر تبدیلیِ امامت اُمت مسلمہ پر واجب ہوجاتی ہے کیونکہ اسلامی شریعت کے قیام و نفوذ کے لیے صالح امامت کا ہونا ہی اُمت مسلمہ کے عمومی مصالح کا تحفظ کرسکتا ہے۔ چنانچہ جہاں تک ممکن ہو تشدد اور قتل و غارت سے بچتے ہوئے تبدیلیِ قیادت کی جدوجہد کرنا اُمت مسلمہ کا فریضہ بن جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ڈاکٹر انیس احمد)